© rasailojaraid.com

لختے از

سوانح مولانا فراہیؒ

شرف الدین اصلاحی

ذیل کی سطور دراصل اس وسیع اور متنوع الجہات تحقیقی منصوبے کا ایک حصہ ہے جس پر میں ان دنوں کام کر رہا ہوں۔ ادارے کی طرف سے مجھے ''مولانا حمید الدین فراہی اور ان کی تصانیف،، کا منصوبہ تفویض ہوا ہے جس میں ان کی مفصل سوانح حیات اور عام علمی خدمات کے علاوہ ان کی عربی تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان کا خصوصی مطالعہ بھی شامل ہے۔ مولانا فراہی کے حالات زندگی ابھی تک بہت کم حیطۂ تحریر میں آئے ہیں۔ اور وہ لوگ آہستہ آہستہ بزم ہستی سے اٹھتے جا رہے ہیں جو مولانا کے متعلق کچھ جانتے تھے۔ پھر بھی خال خال ایسے لوگ ابھی حیات ہیں اور ضرورت ہے کہ ان سے مل کر مطلوبہ معلومات جمع کر لی جائیں۔ گزشتہ دنوں مولانا فراہی کے تلمیذ خاص مولانا امین احسن اصلاحی سے میں نے ان کے گاؤں جا کر ملاقات کی اور ان سے پوچھ پوچھ کر بہت سی باتیں قلمبند کیں۔ چونکہ ان باتوں کا تعلق علم سینہ سے ہے اس لئے تحریری سند یا حوالہ کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ باقی ان کے مستند اور معتبر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اسکے راوی مولانا امین احسن اصلاحی ہیں جو نہ صرف یہ کہ سالہا سال رات دن مولانا فراہی کے ساتھ رہے ہیں بلکہ ان کے فکر خاص کے امین بھی ہیں، اور جن کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقاہت مسلم ہے۔ ان اوراق کا بیشتر مواد مولانا اصلاحی سے مستفاد ہے۔ طریقہ یہ رہا کہ مولانا سے گفتگو کے بعد میں اسے قلمبند کر لیتا۔

شب و روز کے معمولات

مولانا کا معمول تھا کہ ہر رات پچھلے پہر تقریباً ۳ بجے بستر سے اٹھ جاتے۔ بستر وغیرہ اپنا خود ہی ٹھیک کر لیتے۔ کبھی اتفاقاً بھی ایسا نہیں ہونے دیتے کہ کوئی اور ٹھیک کرے۔ حد یہ ہے کہ چارپائی بھی خود ہی اندر کر لیتے۔ چارپائی جو بہت ہلکی اور خوبصورت بنی ہوتی تھی خود ہی اٹھا کر اندر کرتے کسی دوسرے کو اس کا موقع نہیں دیتے۔ اسی طرح بچھاتے بھی خود ہی تھے۔ گھر پر نوکر چاکر تھے، انہیں بھی شاید ہی کبھی اس کا موقع ملتا۔ رات گئے دیر سے کبھی مہمان آجاتے تو ان کے لئے خود ہی چارپائی بستر بچھاتے، نوکروں کو جگا کر ان کے آرام میں خلل ڈالنا گوارا نہ کرتے۔ اٹھنے کے بعد پہلا کام حوائج ضروریہ سے فراغت، اس کے بعد وضو کرتے۔ وضو کرکے کچھ نماز پڑھتے جو تہجد کی نماز ہوتی تھی۔ اس کے بعد قرآن مجید کے مطالعہ میں کچھ دیر صرف کرتے۔ تدبر قرآن کا خاص وقت یہی ہوتا تھا اگرچہ دوسرے اوقات میں بھی ان کا ذہن اس میں مشغول رہتا تھا۔ پھر درس کے لئے بیٹھتے۔ درس عموماً ایک گھنٹہ جاری رہتا۔ اس کے بعد مطالعے کا وقت ہوتا۔ اگر کوئی نئی چیز قابل مطالعہ آئی ہوئی ہوتی یا زیر غور موضوعات و مسائل سے متعلق کسی چیز کا مطالعہ کرنا ہوتا، اس کا مطالعہ کرتے۔ پھر کچھ دیر لکھنے میں صرف کرتے۔ لکھنے کا بھی کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا۔ عام طریقہ یہی تھا کہ وہ مسائل پر غور کرتے رہتے جب کوئی بات سمجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آتی فوراً ہی کسی کاغذ پر نوٹ ٹانک دیتے ۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کوئی بات ذہن میں آئی اور کھڑے کھڑے پنسل ہاتھ میں لی اور جو کاغذ سامنے آگیا اسی پر لکھنا شروع کر دیا ۔ دوپہر میں کچھ دیر آرام کرتے ۔ قیلولہ کی عادت تھی ۔ سہ پہر میں طلبہ کی چھٹی ہوتی تو ہم لوگ فارغ ہوکر سولانا کے پاس چلے جاتے اور علمی گفتگو ہوتی۔ مختلف قسم کے سوالات وجوابات کا سلسلہ رہتا ۔ رات کے وقت عشاء کی نماز پڑھ کر سویرے سو جاتے ۔

وہ اپنے روز مرہ معمولات کی پابندی کرتے۔ کوئی بے قاعدگی ان کے یہاں طرف نہیں تھی ۔ اسکے ساتھ ہی ان کو اسکے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ۔ جس نہج سے زندگی چلتی چلتی رہتی اس میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا ۔ مثلاً میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ عشاء کے بعد جاگ رہے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں ۔ ہم لوگ کبھی عشاء بعد جاتے تو چارپائی کے پاس کھڑے کھڑے دو چار باتیں کرکے رخصت کر دیتے ۔ کہتے جاؤ سو جاؤ اور ہم لوگ چلے جاتے ۔

مرغوبات

المومن حلو و ہو یحب الحلوہ کے قیاس سے رغبت تھی۔ نمکین کے مقابلے میں میٹھی چیز زیادہ پسند تھی ۔ کبھی کبھی گڑ کی ڈلی بھی منہ میں ڈال لیتے تھے ۔ کھانے میں گوشت پسند کرتے تھے ۔ دودھ کی بالائی بہت مرغوب تھی ۔ سولانا اپنی تعلیم کے سلسلے میں لاہور بھی رہے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ لاہور میں پڑھتے تھے تو کیا کھاتے تھے ۔ جواب میں فرمایا کھاتا کیا بس بالائی لیکر روٹی سے کھالیتا تھا ۔ دودھ سے حد درجہ رغبت تھی وطن میں بھی شوق سے استعمال کرتے تھے مگر پیتے نہیں تھے روٹی کے ساتھ کھاتے تھے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کے مرغوبات میں ایک قابل ذکر چیز آم بھی ہے۔ مگر اس باب میں مولانا کا ذوق غالب کے ذوق سے مختلف تھا۔ غالب سے آم کے بارے میں ان کی پسند پوچھی گئی تو انہوں نے کہا ''بھئی بس میٹھا ہو اور ڈھیر سا ہو،، مولانا صرف بہت عمدہ قسم کے بعض خاص آموں ہی کو پسند کرتے تھے۔ مثلاً دسہری اور سپیدہ۔ لنگڑا اور فجری وغیرہ کی ان کے ہاں پوچھ نہیں تھی۔ مرغوب اشیاء خورد و نوش میں زیادہ کا تو ان کے ہاں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ چیز اچھی ہو اور تھوڑی سی ہو، یہ تھی ان کی پسند۔ چنانچہ آم بھی عمدہ قسم کے تھوڑے سے کھاتے تھے۔ آم کو تراش کر قاشیں بنانے میں انتہائی نفاست اور صفائی سے کام لیتے تھے۔ صفائی اور نفاست یوں بھی ان کے مزاج میں بدرجہ اتم تھی۔ آم کے باب میں وہ کچھ زیادہ ہی اہتمام سے کام لیتے ہوں گے کہ ذرا سی بے احتیاطی یا غفلت میں کام خراب ہو جاتا ہے۔

چائے

کھانے پینے میں حد درجہ سادگی پسند ہونے کے باوجود مولانا چائے کے معاملے میں حد درجہ تکلف پسند واقع ہوئے تھے۔ چائے ایک پیالی سے زیادہ نہیں پیتے تھے اور دن میں صرف دو بار، ایک پیالی صبح ایک پیالی شام کو پیتے تھے۔ لیکن اس میں تکلفات بہت تھے۔ چائے کی پتی عام طور پر لپٹن گرین لیبل استعمال کرتے تھے۔ چائے کی کوالیٹی کی عمدگی کے ساتھ دودھ اور شکر کا اچھا ہونا بھی ضروری تھا۔ پھر اس کی تیاری میں ہر ممکن تکلف اور اہتمام کو کام میں لایا جاتا تھا۔ چائے دم دینے اور دودھ گرم کرنے میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ دھوئیں کا اثر نہ آئے اور پانی ایک معین حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے زیادہ جوش نہ کھانے پائے۔ ہر چیز بمقدار مطلوب تناسب کا خیال رکھتے ہوئے، اندازہ کر کے پیالی میں ڈالی جاتی۔ مولانا چائے کا پہلا گھونٹ منہ میں لینے کے بعد جب اثبات میں ”ہوں،، کہتے تو لوگوں کو اطمینان ہو جاتا کہ سب ٹھیک ہے، چائے، مولانا کی پسند اور معیار کے مطابق تیار ہوئی ہے۔ چائے کا اہتمام مولوی اختر احسن اصلاحی مرحوم کے ذمہ تھا۔ غالباً مولوی اختر احسن صاحب کی یہ اسی زمانے کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ خود بھی بڑے اہتمام سے چائے پیتے تھے۔ راقم الحروف کو سالہا سال تک اختر احسن صاحب کی چائے نوشی کی مجلس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی سادہ زندگی میں چائے کا یہ اہتمام بظاہر بڑی بے میل سی بات معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ہر شخص کی زندگی میں بعض باتیں اس طرح کی ہوتی ہی ہیں۔ مولانا فراہی تو خاص خاص باتوں میں زیادہ ہی اہتمام کرتے تھے۔ لباس کے باب میں ان کا طریق کار کہیں بیان ہو چکا ہے۔ زندگی کے تکلفات میں ان کے یہاں دوسری چیز چائے تھی جس پر وہ امیرانہ انداز سے توجہ صرف کرتے تھے۔

مطالعہ

مطالعہ میں مولانا ہمیشہ صرف وہ چیزیں پڑھتے تھے جن کی ضرورت ہوتی تھی۔ مطالعہ برائے مطالعہ ان کے مذہب میں حرام تھا۔ فن کی اول درجے کی کتابیں ہی پڑھتے تھے دوسرے تیسرے درجے کی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ جو چیزیں پڑھنے کی ہوتی تھیں ان کو بار بار پڑھنے سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔ سابقہ صحف آسمانی میں توریت، زبور اور انجیل کو انھوں نے کھنگال ڈالا تھا۔ مولانا اصلاحی کا بیان ہے کہ ان کتابوں کے جتنے نسخے ملتے تھے سب کو پڑھ ڈالتے تھے۔ ان میں سے بعض کتابوں کو انھوں نے عربی، فارسی، انگریزی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو، عبرانی پانچوں زبانوں میں پڑھ ڈالا تھا۔ اور ہر زبان کے نسخے پر الگ الگ حاشیے ثبت کئے ہیں۔ اس سے ان کو ترجموں کی اصلیت و کیفیت کا اندازہ لگانے میں بھی مدد ملتی تھی۔ اخبارات و رسائل سے مطلق دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ ان کے مطالعے سے طلبہ کو منع کرتے تھے۔ مولانا اصلاحی کو ان کا شوق تھا۔ وہ عربی کے اخبارات و رسائل پڑھتے تھے۔ مولانا اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے اور کہتے آپ لوگ ان چیزوں کے لئے وقت کس طرح نکال لیتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ایک اسکالر کے لئے خصوصاً اس قسم کے اسکالر کے لئے جو ان کا تصور تھا اخبارات و رسائل پڑھنا نہ صرف تضییع اوقات ہے بلکہ اس سے ذہنی آوارگی بڑھتی ہے اور انسان ٹھوس علمی کام کے قابل نہیں رہتا۔ مولانا کی اس رائے سے وہ لوگ یقیناً اتفاق کریں گے جنھیں سنجیدہ اعلی علمی تحقیق و تصنیف کا کچھ بھی مذاق ہے۔

مطالعہ کے لئے مولانا ہر فن سے متعلق صرف چوٹی کی کتابوں کے پڑھنے کی سفارش کرتے تھے۔ ان کے خیال میں رطب و یابس اناپ شناپ پڑھنے سے ذہن آوارہ ہوتا ہے اور آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ آدمی کو چاہئے کہ جس فن کو پڑھنا ہو اسکی اصل اور بنیادی کتابیں ہی صرف پڑھے اور ادھر ادھر کی دوسرے تیسرے درجے کی چیزیں نہ پڑھے۔ ان کا اصول تھا کہ ''یک در گیر و محکم گیر''۔ وہ خود بھی بہت زیادہ نہیں پڑھتے مگر جو کچھ پڑھتے تھے اس میں صرف ایسی چیزیں ہوتی تھیں کہ ان کے پڑھنے کے بعد اس فن پر پڑھنے کے لئے کچھ اور ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ایک وقت میں ایک فن کا مطالعہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے بیک وقت اتنے سارے علوم و فنون میں مہارت اور ناقدانہ نظر پیدا کر لی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اصلاحی کا انتخاب

مولانا اصلاحی ۱۹۲۲ء میں مدرسۃ الاصلاح کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اخبار مدینہ بجنور میں چلے گئے۔ وہاں سے انہیں عبدالماجد دریا آبادی نے کھینچ لیا اور سچ کے ادارتی عملے میں شامل کر لیا۔ اسی دوران ایک بار وہ اعظم گڑھ آئے تو مولانا فراھی سے ملنے ان کے گاؤں گئے۔ مولانا فراھی نے پہلے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر بولے آپ امین احسن ھیں؟ مولانا نے انہیں پہچانا۔ اس سے پہلے انہوں نے ایک جلسے میں ان کی تقریر سے متاثر ھو کر نہ صرف ان کی ستائش کی تھی بلکہ حسن تقریر پر اپنی کتابوں کا ایک سیٹ اپنے دستخطوں سے ان کو انعام میں دیا تھا۔ پھر کہا آپ اخبار نویسی کرتے پھریں گے یا ھم سے قرآن پڑھیں گے۔ مولانا اصلاحی نے کہا میں حاضر ھوں۔ اس کے بعد دو جملوں میں مولانا نے ھر چیز کا فیصلہ کر دیا۔ کہا آپ یہیں بنگلے میں رھیں گے اور کھانا ھمارے ساتھ کھائیں گے۔ یہی دو مسئلے ھوسکتے تھے ان کو مولانا نے یوں طے کر دیا۔ بعد میں جب مدرسے کے اساتذہ کو اس کا علم ھوا تو انہوں نے خواھش ظاھر کی کہ مولانا اپنے گاؤں کی بجائے مدرسے پر درس کا سلسلہ شروع کریں تاکہ دوسرے اساتذہ بھی استفادہ کرسکیں۔ مولانا نے اتفاق فرمایا اور مدرسے پر درس کا آغاز ھوا۔ لیکن مولانا اصلاحی کو انہوں نے مدرسے کی طرف سے ایک سفارتی مشن پر ملایا بھیج دیا۔ واپس آکر وہ بھی درس میں شامل ھوگئے۔ پیچھے شامل ھوئے مگر آگے نکل گئے۔ مولانا نے والناس پر درس ختم کیا تو بطور قدر افزائی کے حضرت مسیح کا یہ جملہ ارشاد فرمایا ”کتنے ھی پیچھے آنے والے آگے نکل جاتے ھیں“۔ مولانا نے اندازہ کر لیا تھا کہ مولانا اصلاحی کی ذات میں انہیں ایک جوھر قابل مل گیا جس کو وہ اپنے مشن کے لئے تیار کر سکتے ھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درس قرآن کا طریقہ

مولانا مدرسے میں صرف قرآن مجید کا درس دیتے تھے کوئی اور مضمون انہوں نے کبھی نہیں پڑھایا۔ درس میں صرف مدرسے کے اساتذہ شریک ہوتے تھے۔ مدرسے کے اساتذہ میں بھی کم ہی ایسے تھے جن کی فکری سطح اور مبلغ علم اس درجے کا تھا کہ وہ مولانا کے درس سے مستفید ہو سکیں طلبہ بیچارے اس کا حوصلہ کب کرتے۔ مولانا کے طریقہ درس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ پہلے وہ یہ دیکھتے کہ پڑھنے والوں میں کسی چیز کی کتنی طلب ہے۔ وہ درس کی ابتداء خود سوالات سے کرتے۔ یہی سقراط کا طریقہ تھا۔ وہ بھی اپنے شاگردوں کو اسی طرح درس دیا کرتا تھا۔ پہلے کسی مفسر مثلاً ابن جریر، ابن کثیر، امام رازی وغیرہ میں سے کسی کی رائے بیان کرکے طالب علم سے پوچھتے کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ اگر طالب علموں میں کوئی ذہنی حرکت پیدا ہوتی، وہ تنقید یا جرح کرتے، تو بات آگے چلتی، اور بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع ہو جاتا، ورنہ مولانا آگے بڑھ جاتے۔ کسی مسئلے میں اپنی رائے اس وقت تک بیان نہیں کرتے تھے جب تک کہ طالب کا ذہن پہلے اسکے لئے تیار نہ ہو جاتا۔ طالب علم اگر سوال کرتے تو انہیں خوشی ہوتی اور وہ محسوس کرتے کہ طلبہ عقل کو استعمال کر رہے ہیں اور ان میں غور و فکر کا مادہ پیدا ہو رہا ہے۔ مولانا اصلاحی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سید سلیمان ندوی نے کسی آیت کی تاویل پوچھی۔ مولانا نے پہلے دوسرے مفسرین کی آراء نقل کرکے سید صاحب کو ہمت آزمانے کا موقع دیا۔ مگر سید صاحب اس پر مصر رہے کہ آپ اپنی رائے بتائیں۔ اس پر مولانا نے سید صاحب کو یہ جواب دے کر بات ختم کر دی ''آپ تو چاہتے ہیں کہ پکا پکایا آپ کے سامنے رکھ دوں،،۔ مولانا کے بعد یہی طریقہ درس مدرسۃالاصلاح میں تعلیم کا عام منہاج قرار پایا۔ مدرسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اساتذہ ہر مضمون اسی نہج اور اسلوب سے پڑھاتے تھے۔ راقم الحروف جب طالب علم تھا مدرسے میں یہی طریقہ رائج تھا۔

سیاسیات اور مسائل حاضرہ

مولانا اصلاحی کا بیان ہے کہ سیاسی معاملات کے ساتھ ان کو ایک قسم کی بے تعلقی سی ہی رہتی تھی۔ وہ خود بڑھ کر کبھی بھی کسی سیاسی مسئلے پر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ البتہ کوئی کچھ پوچھتا یا سوال کرتا تو اپنے خیالات بغیر کسی ذہنی تحفظ اور بلا پس و پیش اور بلا اندیشۂ رد عمل کے ظاہر کر دیتے تھے۔ اس طرح کے مسائل میں ان سے کچھ کہنے کی جرأت وہی لوگ کر سکتے تھے سیاست کی دنیا میں جن کا اپنا کوئی مقام ہوتا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ کے مرتبے کے لوگ ہی کبھی کوئی سوال کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگ بھی جرأت کر بیٹھتے تھے۔ اس زمانے میں تحریک خلافت اور انڈین نیشنل کانگریس کا زیادہ چرچا تھا۔ مولانا کے ساتھ گفتگو انہی کے حوالے سے ہوتی تھی۔ مولانا اپنی صوابدید کے مطابق حسب موقع و منشاء سوالات کے جواب تو دے دیتے تھے لیکن ان کی گفتگو سے صاف معلوم ہوتا کہ انہیں ان معاملات و مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ نہ انہیں اہمیت دیتے ہیں نہ درخور اعتناء سمجھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمانوں کے معاملات و مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں مسلمانوں کا مرض اور اس کا علاج اور ہی تھا۔ ان کی نظر حکیمانہ تھی۔ وہ مسلمانوں کے سیاسی مسائل کو بھی ان کے ملی تشخص کے پس منظر ہی میں دیکھتے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان اسلام سے دور ہوگئے ہیں۔ اسلام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیکھنے سکھانے کا راستہ بالکل بدل گیا ہے۔ فہم قرآن کا راستہ مسدود ہوگیا ہے اور اس کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ دین کا اصل ماخذ قرآن ہے۔ جب تک فہم قرآن کی صحیح راہ نہیں کھلتی اصلاح کا کوئی قدم مفید نہیں ہوگا۔ چونکہ دین سکھانے کی ذمہ داری علماء کی ہے اس لئے سب سے پہلے وہ علماء کی اصلاح چاہتے تھے۔ اور اس کا طریقہ ان کے نزدیک یہ تھا کہ علماء پر فہم قرآن کی راہ باز ہو۔ علماء کی اصلاح کے ذریعے وہ عام لوگوں کی اصلاح چاہتے تھے۔ اپنی علمی اور تفسیری سرگرمیوں کے لئے عربی کو ذریعہ اظہار بنانے کا راز بھی یہی تھا، جو تمام عالم اسلام کی مشترکہ زبان ہے۔ جب تک علمی اصلاح نہ ہو، دین کے فہم راستہ کا نہ کھلے، سب کوششیں بیکار ہیں۔ مولانا اصلاحی کہتے ہیں پہلے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی اور میں اپنی نا سمجھی میں کبھی کبھی مولانا سے بحث بھی کرتا تھا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ دین کو ٹھیک طرح سمجھے بغیر اصلاح کا کوئی قدم موثر اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com